ڈاکٹر زبید احمد
ترجمہ: شاہد حسین رزاقی

برِّعظیم پاک و ہند کے عربی گو شاعر

برِعظیم پاک و ہند میں عربی کے کئی قابلِ ذکر شاعر ہوئے ہیں۔ یہاں عربی علم و ادب کا جب آغاز ہوا تو ان ممالک میں بھی جہاں کی زبان عربی تھی، عربی شاعری اپنی شوکت و لطافت کھو چکی تھی۔ اس لیے پاک و ہند کے شاعروں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ کوئی شاہکار پیش کرکے اپنی غیر معمولی شعری صلاحیتوں کا ثبوت دیتے۔ یہاں کے بہترین شعرا بھی صرف عمدہ فن کار تھے جو حسین الفاظ سے کھیلنے کے سوا کچھ اور نہ کر سکے۔

فارسی شاعری کی طرح عربی شاعری نے بھی عموماً بادشاہوں اور امیروں کی سرپرستی میں فروغ حاصل کیا۔ پاک و ہند کے مسلمان فرمانرواؤں کی زبان فارسی تھی اور قدرتی طور پر ان کو فارسی شاعری سے زیادہ دلچسپی تھی۔ چنانچہ شمالی ہند کے درباروں میں عربی شاعری کی سرپرستی و حوصلہ افزائی نہیں ہوئی۔ تاہم گجرات اور دکن کے درباروں میں عربی کے کئی شاعر اور عالم عرب سے آئے۔ لیکن ایک تو ان کی تعداد فارسی کے ان شعرا و علما کے مقابلے میں بہت ہی کم تھی جو ایران سے آئے تھے اور دوسرے ان کی علمی سرگرمیاں بہت محدود رہیں اور ان کی کچھ زیادہ حوصلہ افزائی بھی نہیں کی گئی۔ یہ امر افسوسناک ہے کہ عربی شاعری سے دلچسپی نہ ہونے کی وجہ سے جنوبی ہند کے صرف چند ہی عربی شعرا کا کلام ہم تک پہنچا ہے۔ مؤرخوں نے بس اسی قدر لکھنے پر اکتفا کیا ہے کہ ان درباروں میں عربی کے کئی شاعر اور عالم تھے اور ان کے نام اور حالات تک نہیں لکھے۔

احمد آباد میں خاندان عیدروس نے جنوبی عرب سے اپنا تعلق مستقل طور پر برقرار رکھا اور احمد آباد میں اس خاندان کے سکونت پذیر ہونے کے بعد ایک عرصہ تک ان کی وجہ سے عربی کے عالم اور شاعر عرب سے آتے رہے۔ النور السافر میں ان شاعروں کے مختصر حالات لکھے گئے ہیں

مگر ہند میں ان کا قیام عارضی تھا اور وہ پھر عرب واپس چلے گئے۔ مالا بار میں کچھ مدت تک عربی کو ویسی ہی برتری حاصل رہی جیسی کہ شمالی ہند میں فارسی کو حاصل تھی۔ اس لیے یہاں عربی کے کچھ شاعر ضرور رہے ہوں گے۔ مگر ان کے متعلق کچھ علم نہیں ہے۔ صرف ایک شاعر محمد بن عبدالعزیز کے حالات لکھے گئے ہیں جو تحفۃ المجاہدین کے مصنف زین الدین کا بھائی تھا۔ محمد بن عبدالعزیز نے الفتح المبین السامری الذی یحب المسلمین کے عنوان سے عربی میں ایک مثنوی لکھی ہے جس کا ذکر آگے کیا جائے گا۔

عربی کے کچھ اور شاعر بھی ہند میں آباد ہو گئے تھے۔ جن میں ابن معصوم اور ان کے والد نظام اور زہر الریاض کے مصنف حسن بن شادقم قابلِ ذکر ہیں۔ شادقم کے سب لڑکے بھی دکن اور گجرات کے درباروں سے وابستہ تھے۔ سلافۃ العصر میں ان شاعروں کے مختصر حالات اور کلام کے نمونے درج کیے گئے ہیں۔ ذیل میں تاریخی ترتیب سے عربی کے چند اہم شاعروں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ان میں ہندی بھی ہیں اور ایسے غیر ملکی بھی جنھوں نے ہند میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔

مسعود بن سعد سلمان

عربی کے ان شعرا میں سب سے قدیم مسعود بن سعد سلمان ہیں جو فارسی کے شاعر کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ مسعود کا آبائی وطن ہمدان تھا لیکن ان کے والد ساٹھ برس تک غزنی کے سلاطین کی ملازمت میں رہے اور لاہور اور ہند کے مختلف مقامات میں ان کی بہت سی زمینیں اور املاک تھیں۔ مسعود لاہور میں پیدا ہوئے تھے اور یہیں ان کی پرورش بھی ہوئی تھی[1]۔ فارسی کے علاوہ عربی اور ہندی میں بھی شعر کہتے تھے اور ان سب زبانوں میں دیوان بھی چھوڑے تھے[2]۔ مگر یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ ان کے عربی اور ہندی دیوان غالباً موجود نہیں ہیں۔ حدائق السحر میں وطواط نے مسعود کے عربی اشعار کافی تعداد میں درج کیے ہیں۔

---

[1] تنقیدی و تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو۔ مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی کا مقالہ جس کا ترجمہ پروفیسر براؤن نے کیا ہے جو رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے مجلہ بابت ۱۹۰۵ء میں شائع ہوا ہے۔ صفحہ ۶۹۳ تا ۷۰۷۔

[2] خسرو غرۃ الکمال۔ دیباچہ۔

فارسی اور ہندی شاعر اس طرزِ بیان کے بڑے شائق ہیں جسے توریہ یا ایہام کہا جاتا ہے۔ اس میں دو یا اس سے زیادہ ایسے مبہم الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جن کا پہلے تو بظاہر ایک مفہوم معلوم ہوتا ہے مگر دراصل ان سے بالکل مختلف مفہوم مراد ہوتا ہے۔

اس کی مثال مسعود کا مندرجۂ ذیل قطعہ ہے جو وطواط نے قلم بند کیا ہے:۔

ولیلٍ کانَّ الشمس ضلت مرہا　　ولیس لہا نحو المشارق مرجع

نظرت السیط والظلام کانہ　　علی العرباان من الجنّ دا قع

فقلت لقلبی طال لیلی ولیس لی　　من الہم منجاۃ و فی الصبر مفزع

اریٰ ذنب السرحان فی الجو طالعاً　　فہل ممکن ان الغزالۃ تطلع

کتنی ہی راتیں مجھ پر ایسی گزری ہیں کہ جیسے سُورج اپنا راستہ بھُول گیا ہے اور مشرق کی طرف سے اس کا لوٹنا نہ ہوگا۔

مَیں نے اس رات کو اس کی تاریکی کی طرف دیکھا تو جیسے کوّے میری آنکھ کے اوپر فضا سے گر رہے ہوں۔

مَیں نے اپنے دل سے کہا کہ میری رات تو ایسی لمبی ہو گئی ہے کہ غم سے نجات کی کوئی صورت نہیں اور صبر ہی سے رجوع کرنا پڑے گا

مَیں دیکھتا رہا کہ صبح کا ذنب فضا میں نمودار ہوئی اور یہ ممکن ہے کہ سُورج طلوع ہو۔

یہاں کلام کی خوبی دو الفاظ ذنب السرحان اور غزالہ کا استعمال ہے۔ ذنب السرحان کے دو معنی ہیں صبح کا ذنب اور بھیڑیے کی دُم اور غزالہ کے بھی دو معنی ہیں۔ آفتاب اور ہرن۔ شاعر نے یہاں یہ ذو معنی الفاظ استعمال کرکے ایک لُطف پیدا کر دیا ہے۔

امیر خسرو

ہند میں جتنے بھی فارسی گو شاعر ہوئے ہیں۔ ان میں امیر خسرو سب سے بڑے شاعر ہیں اور وہ اپنی فارسی شاعری کی بدولت ہی اس قدر مشہور و معروف ہیں۔ تاہم انھوں نے عربی میں بھی کافی

لہ سبحہ۔ صفحہ ۲۷

شعر کہے ہیں۔ چنانچہ اعجازِ خسروی میں جا بجا ان کے عربی اشعار موجود ہیں۔ امیر خسرو کے دیوان میں ان کا عربی کلام بھی شامل ہے اور خزائن الفتوح میں بھی جگہ جگہ عربی اشعار پائے جاتے ہیں۔ امیر خسرو صنعت لفظی کے بہت شائق تھے اور انھوں نے کئی اسلوب بیان ایجاد کیے۔ انھوں نے ایک ایسی نظم بھی لکھی ہے جس کے ہر شعر کا پہلا مصرع فارسی ہے اور دوسرا عربی۔ اپنے دیوان غرۃ الکمال کے دیباچہ میں خسرو نے یہ اعتراف کیا ہے کہ وہ خود عربی کے اچھے شاعر نہیں۔ مگر مولانا شہاب الدین کا ذکر ہند کے ایک بڑے عربی شاعر کی حیثیت سے کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ ان کا کلام فرزدق اور جریر کے کلام پر فوقیت رکھتا ہے۔ امیر خسرو نے تو شہاب الدین کی اس قدر تعریف کی ہے مگر ان کے حالات کا علم بہت ہی کم ہے۔ شعر العجم میں شبلی نعمانی نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ امیر خسرو کے استاد تھے۔

امیر خسرو کے ایک قصیدہ کے چند اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں جو انھوں نے سلطان علاء الدین (عہدِ حکومت ۱۲۹۵ تا ۱۳۱۵ء) کی مدح میں لکھا تھا۔ ان کا آغاز مخلص سے ہوتا ہے اور ان سے خسرو کی عربی شاعری کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

بعد التشبیب

فی مھجتی سکنت محبتها کما	مدح الملیک المستعان الأعظم
اعنی علاء الدین سلطان الوری	ملک تولّد من سلالة آدم
عین الحیا بل عینه عین الحیا	یم الندیٰ بل کفه عین الیم
من جود ه الفیاض تدیحکی اذا	نغب الغراب علی رمیم الحاتم
ما کان یعطش سیفة بقرا به	الا ولیسقی من کؤس جاجم
رشّحر لمدحک العلیة خسروا	بالشعر لیس کمثله فی المعالم
کن بالخلود علی الارائک قاعدا	فانا اخصک بالبقاء الدائم

میری روح میں اس کی محبت ایسی پیوست ہو گئی ہے جس کی تعریف سب سے بڑے صاحبِ اقتدار اور مددگار نے کی ہے۔

میری مراد سلطان علاء الدین سے ہے جو نسلِ آدم سے پیدا ہوا ہے۔

وہ عین حیا ہے بلکہ اس کی آنکھ عین حیا ہے۔ وہ سخاوت کا سمندر ہے۔ بلکہ اس کی ہتھیلی عین سمندر ہے۔

اس کی فیاضانہ سخاوت کا ذکر یوں ہوتا ہے کہ کوّے نے حاتم کی قبر پر چند بوند ٹپکا دی۔

اس کی تلوار کبھی اپنی نیام میں پیاسی نہیں رہتی بلکہ کھوپڑیوں کے پیالوں سے سیراب ہوتی ہے۔

خسرو نے شعر میں اعلیٰ تعریف یوں کردی کہ دنیا میں اس جیسا کوئی نہیں۔

تم ہمیشہ ہمیشہ تخت پر بیٹھے رہو اور میں تمھیں دائمی بقا کے لیے مخصوص کرتا ہوں۔

نصیر الدین چراغ دہلی

شیخ نصیر الدین چراغ دہلی حضرت نظام الدین اولیا کے شاگرد تھے۔ وہ عربی کے ایک ممتاز عالم بھی تھے اور اس زبان میں شعر بھی کہتے تھے۔ انھوں نے اپنے استاد شمس الدین یحییٰ اودھی کی مدح میں یہ شعر کہا ہے، جس کی بہت ہی تعریف کی جاتی ہے۔

سالت العلم من احیاک حقا ففال العلم شمس الدین یحییٰ

میں نے علم سے یہ سوال کیا کہ تیرا احیا کس نے کیا ہے۔ علم نے جواب دیا کہ شمس الدین یحییٰ نے۔

اس شعر میں لفظ یحییٰ ذومعنی ہے۔ اگر اس کو یُحییِ پڑھا جائے تو بھی یہ مفہوم ادا ہو جائے گا۔

قاضی عبد المقتدر

قاضی عبد المقتدر حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے شاگرد اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے استاد تھے۔ وہ اپنے زمانہ کے ایک ممتاز عالم اور عربی کے اچھے شاعر بھی تھے انھوں نے لامیۃ العجم کی تقلید کرتے ہوئے ایک قصیدۂ لامیہ لکھا تھا جو اپنے نفیس اسلوب بیان، ابتدائی اشعار کی خوبی، مخلص کی موزونی اور حسن تخیل کی وجہ سے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس قصیدہ کا پہلا شعر یہ ہے:-

يا سائق الظعن في الاسحار والاُصُر   سلم على دار سلمیٰ وابك ثم سلی

اے صبح و شام اونٹوں کو ہنکانے والے سلمیٰ کے گھر کو میرا سلام کہہ دے اور رو کر دریافت کر لے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے ہندی شاعر صنعتِ لفظی کے بہت شائق ہیں اور یہ خصوصیت اس قصیدہ میں بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کے پہلے شعر میں بھی جو اوپر درج کیا گیا ہے، مندرجہ ذیل کنائے موجود ہیں:-

۱۔ سلم اور سلمیٰ اور سلی میں تجنیس زائد۔

۲۔ مراعاۃ النظیر از اول تا آخر۔

۳۔ سلم اور سلمی میں صنعت الاشتقاق۔

۴۔ السحر اور اصل میں صنعتِ تضاد۔

ایک روایتی عرب شاعر کی طرح عبد المقتدر نے سب سے پہلے سار بان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ اس کی محبوبہ کی منزل گاہ کو سلام کر کے آنسو بہائے اور پھر اس حسین دلربا اور ان بادشاہوں کا حال پوچھے جو اس منزل سے گذر چکے ہیں۔ اس کے بعد شاعر عشق و محبت کا بیان شروع کر دیتا ہے اور پھر اپنی محبوبہ کے حسن و جمال کی تعریف کرتا ہے جو اس کی رسائی سے باہر ہے۔ کیونکہ بہادر شمشیر زن اور نیزہ بردار اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ تاہم کسی نہ کسی طرح سے شاعر اپنی محبوبہ تک پہنچ جاتا ہے جو اس کو دیکھ کر حیران ہو جاتی ہے اور یہ پوچھتی ہے کہ وہ محافظوں کی نظر سے بچ کر یہاں تک کس طرح پہنچ گیا۔ اس کے جواب میں شاعر کہتا ہے کہ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ بلکہ ایک بادشاہ ہے جو ہمیشہ شیر اور ببر کا شکار کرتا ہے۔ یہ سن کے محبوبہ سر تسلیم خم کر دیتی اور کہتی ہے کہ اب وہ اس کے رحم و کرم پر ہے کیونکہ وہ ایسے بہادر جنگ جو کی مقاومت نہیں کر سکتی۔ لیکن شاعر محبوبہ کی پیش کش کو رد کر دیتا اور یہ کہتا ہے کہ اس کا تعلق لوگوں کے اس طبقہ سے ہے جو متقی اور پرہیزگار ہیں۔ اس کے بعد شاعر مسلمان قوم کی تعریف کرتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں ہدیہ

لہ سبحۃ المرجان ص ۲۹

عقیدت پیش کرتا ہے۔

عبد المقتدر نے بہت نادر تشبیہیں دی ہیں۔ جن کا اندازہ قصیدہ کے مندرجۂ ذیل اشعار سے ہو سکتا ہے:

بخیلة لوصال المستهام بها   والجود في الخلي مثل البخل في الرجل

وہ (محبوبہ) عاشقوں سے ملنے میں بڑی بخیل ہے اور ایک خلیق نوجوان عورت کی سخاوت ایسی ہی ہے جیسی مردوں کی بخالت۔

شاعر اپنی محبوبہ کی اس روش کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ایک حسین عورت میں سخاوت کا ہونا ایسا ہی ناپسندیدہ ہے جیسا کہ ایک مرد میں بخل کا ہونا۔

خيالها عند من يهوى زيارتها   احلى من الامن عند الخائف الرجل

مشتاقِ دید کے نزدیک اس (محبوبہ) کا خیال اس اطمینان سے زیادہ شیریں ہے جو خوفزدہ شخص کو (خوف کے بعد) حاصل ہوتا ہے۔

احمد تھانیسری

احمد تھانیسری ایک ممتاز عالم اور عربی کے اچھے شاعر تھے۔ یہ آٹھویں صدی ہجری کے آخر اور نویں صدی کے ابتدائی حصہ میں بقیدِ حیات تھے۔ امیر تیمور نے ان کے علم و فضل کی بہت تعریف سُنی تھی اور اُن کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ مگر وہ اپنا وطن چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوئے[1]۔ آنحضرتؐ کی مدح میں انھوں نے ایک قصیدۃ الدالیہ لکھا ہے جو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ رواج کے مطابق تشبیب کے بعد قصیدہ کے اصل موضوع کا آغاز اس طرح کیا گیا ہے۔

اب لیلیٰ اور اس کی ہم نشینوں کا تذکرہ ختم کر دے اور رسول اللہ کی تعریف بیان کر۔

شاہ احمد شریعی

شاہ احمد شریعی (وفات ۹۲۸ھ-۱۵۲۱ء) چندیری (مالوہ) کے رہنے والے تھے اور

---

[1] سبحۃ المرجان صفحہ ۳۸

وہ عربی میں بھی شعر کہتے تھے[1] زمخشری نے اشاعرہ کی جو ہجو لکھی ہے اس کے جواب میں شریعی کے یہ دو شعر قابلِ ذکر ہیں :-

عجباً لقوم الظالمین تلقبوا | بالعدل یا فیهم لعمری معرفه
قد جاءهم من حیث لایدرونه | تعطیل ذات الله مع نفی الصفه

تعجب ہے ان ظالم لوگوں پر جو عادل کا لقب اختیار کرتے ہیں۔ کاش ان میں اتنی سمجھ ہوتی۔

عدل کا لفظ جبکہ وہ اس کے معنی بھی نہیں جانتے ایسا ہے جیسے اللہ کی ذات کو اس کی صفت سے الگ کر لیا جائے۔

محمد بن عبدالعزیز کالی کوٹی مالاباری

محمد بن عبدالعزیز کا تعلق دسویں صدی کے آخر نصف سے ہے اور یہ بھی عربی میں شعر کہتے تھے۔ ان کے حالات کا علم بہت ہی کم ہے۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ یہ معبر کے ایک ذی علم خاندان کے فرد تھے۔ ان کے بھائی زین الدین تحفۃ المجاهدین کے مصنف تھے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اور ان کے والد عبدالعزیز قاضی تھے۔ عبدالحق حقی نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ علی متقی محمد بن عبدالعزیز سے ملے تھے اور ان کے بارے میں بہت اچھی رائے رکھتے تھے۔ محمد بن عبدالعزیز نے الفتح المبین للسامری الذی یحب المسلمین کے نام سے ایک طویل رزمیہ نظم لکھی ہے جو ۵۰۳ اشعار پر مشتمل ہے اور جس میں کالی کٹ کے راجہ سامری اور واسکوڈی گاما کے پرتگالی سپاہیوں میں جنگ کے حالات نظم کیے گئے ہیں۔ اس رزمیہ نظم اور تحفۃ المجاهدین کا موضوع ایک ہی واقعہ ہے۔ اس واقعہ کو ایک نے نثر میں بیان کیا اور دوسرے نے نظم میں۔ اور یہ دونوں بھائی ان تمام واقعات کے شاہد ہیں۔ اس نظم کا ایک نادر مخطوطہ انڈیا آفس کی لائبریری میں موجود ہے[2] موضوع کے اعتبار سے یہ نظم اگرچہ

---

[1] رحمٰن علی۔ تذکرہ۔ ۸۴

[2] لوتھ کی فہرست کتب۔ نمبر ۱۰۴۴۔ ۶

زیادہ اہم نہیں ہے لیکن اس میں کچھ شعری خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ شروع سے آخر تک انداز بیان سادہ اور نفیس ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ نظم کیسی ہے جسب دستور نظم کا آغاز حمد اور نعت سے ہوا ہے اور پھر اصل موضوع کی ابتدا ان اشعار سے کی گئی ہے ا۔

فان هذی قصة عجيبة — فی شرح حرب شانها غريبة
وقعة فی خطة المليبار — ومثلها یجر فی تلك الديار
بين المحب المسلمين السامری — وبين خصمه الفرنجی الكافر
نظمت بعضها ومالك الملوك — بیسمع القصه سائر الملوك
لعلهم اذ سمعوا يفتكرون — فی الحراب اولعلهم يعتبرون
لعلها تسير فی الآفاق — لاسيما فی الشام والعراق
وليعلموا الهمة للسلطان — السامری المشهور فی البلدان
صاحب كاليكوت المشهور — لازال من فضل الغنی المعمور
وهو محب ديننا الاسلام — والمسلمين بين ذا الانام
ناصر ديننا وجری شرعنا — حتیّٰ بحظبته علی سلطاننا

یہ عجیب واقعہ ہے اس لڑائی کے بارے میں جس کی عجیب شان ہے۔
یہ ایک لڑائی ہے مالابار کے خطے میں جس کے مثل اس دیار میں اور کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔
یہ لڑائی محب مسلمین سامری اور اس کے دشمن یعنی فرنگی کافر کے درمیان ہوئی
میں نے اس ایک حصے کو منظوم کیا ہے۔ مالک الملوک کی قسم۔ تاکہ تمام فرماں روا اس کو سنیں۔
تاکہ جب وہ اس کو سنیں تو اس لڑائی پہ غور کریں یا اس سے عبرت حاصل کریں۔
تاکہ تمام اطراف میں یہ پھیل جائے خصوصاً شام اور عراق میں۔
اور تاکہ لوگ شہرۂ آفاق سلطان سامری کی ہمت سے واقف ہو جائیں۔

یعنی مشہور سلطان کالی کٹ ۔ خدائے غنی کے فضل سے یہ جمہورہ ہمیشہ قائم رہے ۔ وہ ہمارے دین اسلام کا بھی محبّ ہے اور مخلوقات میں مسلمانوں کا بھی ۔ ہمارے دین کا مددگار اور ہماری شریعت کا جاری کرنے والا ہے ۔ یہاں تک کہ خطبے میں بھی ہمارے سلطان کا نام لیا جاتا ہے ۔

سیّد علی خاں ابن معصوم

سیّد علی خاں ابن معصوم (۱۱۱۷ھ - ۱۷۰۵ء) جن کا تذکرہ پہلے کئی جگہ کیا جا چکا ہے عربی کے اچھے شاعر بھی تھے ۔ انھوں نے اپنی نظم البدیعیہ میں فنِ بلاغت اور لفظی اختراعات کی تمام ممکنہ مثالیں پیش کی ہیں اور یہ نظم بلاغت کے موضوع پر عربی ادب میں ایک قابلِ قدر اضافہ سمجھی جاتی ہے ۔ ابن معصوم نے اپنی اس نظم کی ایک شرح بھی لکھی ہے اور سلافہ میں بھی ان کی چند مثالیں موجود ہیں ۔

سیّد عبدالجلیل بلگرامی

سیّد عبدالجلیل بلگرامی (۱۱۲۸ھ - ۱۷۱۵ء) نے اورنگ زیب عالمگیر اور ان کے چھ جانشینوں کا زمانہ دیکھا ۔ وہ ایک ممتاز عالم تھے اور عربی، فارسی، ترکی اور ہندی چار زبانوں میں شعر کہتے تھے ۔ سلافہ کے مصنف ابن معصوم نے لکھا ہے کہ انھوں نے ہند میں عبدالجلیل بلگرامی جیسا کوئی اور عالم نہیں دیکھا[۱] ہند کے سب سے بڑے عربی شاعر غلام علی آزاد نے بھی ان کی شاعری کی بہت تعریف کی ہے[۲] تاریخ گوئی میں عبدالجلیل کو خاصی مہارت حاصل تھی ۔ اورنگ زیب نے جب ستارہ کا قلعہ فتح کیا تو اس موقع پر انھوں نے اپنے اشعار میں جو تاریخیں نکالیں وہ بہت مشہور ہیں :-

۱ - لما توجہ سلطان الانام الی	رب السّمٰوت فی تائید اسلام
۲ - اقر ابهامہ فی اصل خنصرہ	لوردیا قادراً فتاح اکمام
۳ - فصار حین افتتاح الاسم مفتتحا	حصنا لمن عبد واا لجاد اصنام

---

[۱] سبحہ ۸۰ ۔ [۲] سبحہ ۸۰

۴۔ نظرت فی الفات وھی اربعة | من فوق ابھامه من غیر ایھام
۵۔ وجدت ھن لعام الفتح جنیئتہ | رقما علی سنة من مد ابھام
۶۔ للہ تلک ید بیضاقد بزغت | للناظرین فیا للمعجز السامی
۷۔ ھذا البدیع من التاریخ انشأہ | عبد الجلیل بتائیدات الھامی

۱۔ جب سلطان انام نے رب السموات کی طرف تائید اسلام کے لیے رجوع کیا
۲۔ تو اپنے انگوٹھے کو چھنگلیا کی جڑ سے لگا کر "یا قادر فتاح الکلام" (اے قدرت والے پیچیدگیوں کو کھولنے والے) کا ورد شروع کیا۔
۳۔ تو اس اسم کا ورد شروع کرتے ہی بُت پرستوں کا قلعہ بھی فتح کر لیا۔
۴۔ مَیں نے دیکھا تو (چار انگلیاں) چار الف نظر آئیں جو بلا شبہ اس کے انگوٹھے کے اُوپر تھیں۔
۵۔ مَیں نے اس وقت دیکھا کہ انگوٹھے کو پھیلا کر سنہ قرار دیا جائے تو (چاروں الف) فتح کا سنہ یعنی سنہ ۱۱۱۱ بن جاتے ہیں۔
۶۔ یہ روشن ہاتھ دیکھنے والوں کے لیے عجب انداز سے ظاہر ہوا جو ایک بڑا معجزہ تھا۔
۷۔ یہ انوکھی تاریخ عبد الجلیل نے الہامی تائید سے نکالی ہے۔

اورنگ زیب نے یہ فتح ۱۱۱۱ھ (۱۶۹۹ء) میں حاصل کی تھی۔ ورد کرتے وقت جب گنتی کی جاتی ہے تو ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے نچلے حصّہ پر اسی ہاتھ کے انگوٹھے کا اوپری سرا رکھ کر پہلا عدد شمار کیا جاتا ہے۔ اس طرح ہاتھ کے پنجہ کی جو شکل بن جاتی ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ اورنگ زیب نے جیسے ہی حضور باری تعالیٰ میں دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے، اور دعائیہ کلمات کا ورد کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے نچلے حصّہ پر انگوٹھے کا اوپری سرا رکھا قلعہ فتح ہو گیا۔ اور اس وقت چاروں انگلیوں اور انگوٹھے کی جو شکل بن گئی تھی وہ قلعہ فتح ہونے کے سن کے مماثل تھی۔ یعنی سنہ ۱۱۱۱۔

ابنِ معصوم ذہن رسا اور قوت متخیلہ کا مالک تھا۔ اور اس کی تمام شاعری اسی کے تخیل و تصوّر کی

آئینہ دار ہے۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:-

حبیبی قوس حاجبہ کنون — وصاد یدا ابن مقلۃ شکل عینہ

لعمری انہ نص جلی — علی ان الرمایۃ حق عینہ

میری محبوبہ کی ابرو حرف ن کی مانند ہے اور آنکھ کی شکل حرف ص کی طرح ہے۔ اور یہ نامور خطاط ابن مقلہ کا شاہکار معلوم ہوتے ہیں۔ ابرو اور آنکھ یعنی ن اور ص - کا یہ دلکش امتزاج ایک نص یعنی اس حقیقت کی بین دلیل ہے کہ یہ آنکھ تیر چلانے کی حق دار ہے۔

١ لفظ مقلہ جس کے معنی آنکھ کا دیدہ ہیں، دوسرے الفاظ سے معنوی ربط رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ شاعر نے اس شعر میں ابن مقلہ کا نام شامل کیا ہے۔

حبیبی ثغرہ کالسین شکلاً — وکالمیم المدور شکل فیہ

ھما سم و یا عجبا حیاتی — اذا ماذقتہ لاشک فیہ

میری محبوبہ کے دانت حرف س کی مانند ہیں اور اس کا دہن حرف م کی طرح ہے ان دونوں حرفوں کو ملانے سے لفظ سم بنتا ہے لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ میں اس سم کو جتنا زیادہ چکھتا یعنی محبوب کے بوسے لیتا ہوں میری زندگی اتنی ہی زیادہ بڑھتی ہے۔

یہاں یہ لطیفہ بھی قابلِ غور ہے کہ پہلے شعر میں لفظ فیہ کے معنی دہن ہیں اور دوسرے میں اسی لفظ کے معنی ہیں اس میں۔

غرض یہ کہ عبدالجلیل بہت ذہین شاعر تھے اور صنعت لفظی پر ان کو بڑی قدرت حاصل تھی۔ وطواط نے لکھا ہے کہ بدیع الزمان کا ایک شعر اس قدر عمدہ ہے کہ کوئی اور شاعر اس جیسا شعر نہیں کہہ پایا مگر عبدالجلیل اسی پایہ کا شعر کہنے میں کامیاب ہوئے۔ بدیع الزمان کا شعر ہے:

ھو البدر الا انہ البحر زاخراً — سوی انہ الضرغام لکنہ الوبل

وہ بدر ہے اور ساتھ ہی بحر زخار بھی۔ وہ شیر بھی ہے اور ساتھ ہی موسلا دھار بارش بھی

اور عبدالجلیل کا یہ شعر اس کا ہم پایہ ہے۔

هو القطب الا انه ابدا طالعاً　　سوی انه المریخ لکنه السعد

وہ مرکز ہے ساتھ ہی طلوع ہونے والا ابد بھی۔ وہ مریخ بھی ہے اور ساتھ ہی سعد (مبارک) بھی۔

دیگر شعرا

سید عبدالجلیل کے لڑکے سید محمد (۱۱۵۸ھ-۱۷۴۵ء) بھی اچھے شاعر تھے۔ اور وہ الفاظ اور محاوروں سے کھیلنے کے بڑے شائق تھے۔

بلگرام میں عبدالجلیل کے علاوہ اور بھی کئی عالم اور شاعر ہوئے ہیں جن میں سید طفیل محمد (وفات ۱۱۵۱ھ-۱۷۳۸ء) - **سید محمد یوسف** (وفات ۱۱۷۲ھ-۱۷۵۸ء) اور سید غلام علی آزاد (۱۲۰۰ھ-۱۷۸۵ء) زیادہ اہم ہیں۔ آزاد کا مفصل تذکرہ آگے کیا جائے گا۔

دہلی میں شاہ ولی اللہ کا خاندان اپنے علم و فضل کی وجہ سے بہت مشہور ہوا ان لوگوں نے عربی میں شاعری بھی کی ہے۔ شاہ ولی اللہ، ان کے والد عبدالرحیم اور بیٹے عبدالعزیز اور رفیع الدین سب نے عربی میں شعر کہے ہیں۔ عبدالرحیم نے "روح" کے عنوان سے بوعلی سینا کی نظم کے جواب میں ایک اچھی نظم لکھی ہے۔ شاہ ولی اللہ نے آنحضرتؐ کی مدح میں ایک قصیدہ عربی میں لکھا ہے اور فارسی میں اس کی شرح بھی قلم بند کی ہے۔ قصیدہ اور شرح دونوں شایع ہو چکی ہیں اور ان کی بہت قدر کی جاتی ہے۔ شاہ عبدالعزیز نے بھی عربی میں نعت لکھی ہے۔ اور رفیع الدین نے اپنے دادا کی نظم "روح" کے ہر ایک بند میں تین تین مصرعوں کا اضافہ کیا ہے۔

محمد باقر مدراسی (وفات ۱۲۲۰ھ-۱۸۰۵ء) نے اپنا ایک عربی دیوان چھوڑا ہے مگر راقم الحروف کو اس کا کوئی نسخہ بھی کسی کتب خانہ میں نہیں ملا۔ محمد باقر کثرت سے لکھنے والے تھے

غلام علی آزاد بلگرامی

ہند کے عربی شاعروں میں سب سے زیادہ اہم غلام علی آزاد بلگرامی ہیں جن کے مختصر حالات پہلے بیان کیے جا چکے ہیں۔ جس طرح امیر خسرو ہند کے سب سے بڑے فارسی شاعر کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ اسی طرح غلام علی آزاد یہاں کی عربی شاعری میں امتیازی مرتبہ کے حامل ہیں۔

غلام علی آزاد کی طرح امیر خسرو کے اجداد ہندی نہ تھے۔ امیر خسرو کے والد ہند آئے تھے اور یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ مگر آزاد کے آبا و اجداد کئی پشتوں سے ہندی تھے۔

آزاد نے اپنے عربی کلام کے کئی دیوان چھوڑے ہیں۔ جن کا انتخاب سبعہ سیارہ کے نام سے شایع کیا گیا ہے۔ آزاد نے آنحضرتؐ کی مدح میں کئی قصیدے بھی لکھے ہیں اور ان کا ایک مجموعہ تسلیۃ الفواد کے نام سے مرتب کیا ہے۔ آزاد کو بجا طور پر حسان الہند کا لقب دیا گیا ہے جس طرح کہ خاقانی کو حسان العجم کہا جاتا ہے۔

آزاد کی عربی شاعری بیرون ہند کیوں مقبول نہیں ہوئی اس کی بڑی وجہ اس زمانے کے حالات ہیں۔ ہند اور مصر یا ہند اور عرب کے درمیان آمد و رفت اور علمی و ادبی تخلیقات کے باہمی تبادلہ کی وہ سہولتیں موجود نہ تھیں جو امیر خسرو کے زمانہ میں ہند اور ایران کے درمیان پائی جاتی تھیں۔ مزید برآں ہر ملک کے لوگوں میں ایک قسم کا یہ تعصب بھی پایا جاتا ہے کہ وہ اپنی زبان کے غیر ملکی شعرا کے کلام کو کم تر درجہ دیتے ہیں۔ چنانچہ ایرانی بھی غیر ایرانی شعرا کے فارسی کلام کی داد دینے میں بخل سے کام لیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ امیر خسرو اور فیضی کی ایران میں وہ قدر و منزلت نہیں جو ہند یا ترکی میں ہے۔ اس رجحان کے باوجود مدینہ کے علما نے جب غلام علی آزاد کی لکھی ہوئی نعتیں سنیں تو اُن کی بہت تعریف کی اور ان کو حرم شریف میں آویزاں کر دیا۔ عبدالوہاب طنطاوی مکہ کے ایک مشہور عالم تھے اور آزاد نے ان سے حدیث کا درس لیا تھا۔ انھوں نے جب اپنے شاگرد کے لکھے ہوئے قصاید سنے تو اُن کی بہت تعریف کی اور جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ غلام علی کا تخلص آزاد ہے اور لفظ آزاد کے معنی کیا ہیں تو وہ بے ساختہ پکار اُٹھے: "سیدی انت من عتقاء اللہ"

آزاد پیدائشی شاعر تھے اور شاعری کا بہت پاکیزہ ذوق رکھتے تھے۔ انھوں نے فارسی میں بھی شعر کہے ہیں۔ غلام علی آزاد نے فارسی شعرا کے متعلق دو کتابیں بھی فارسی میں لکھی ہیں جو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور اہلِ علم ان سے استفادہ کرتے ہیں۔ یہ بات تعجب خیز ہے کہ بروکلمن نے عربی ادبیات کی جو ضخیم تاریخ لکھی ہے اس میں آزاد اور ان کی تصانیف کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اس میں کئی اور ہندی مصنفین کا تذکرہ موجود ہے۔ غالباً اس کا

سبب یہ ہے کہ آزاد کی کوئی تصنیف بروکلمن کی نظر سے نہیں گزری۔ آزاد کی سبحۃ المرجان اپنی نوعیت کی پہلی تصنیف ہے جو ۱۸۸۵ء میں بمبئی میں طبع ہوئی تھی اس کا تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے۔

آزاد نے مراۃ الجمال کے نام سے ۱۰۵ اشعار کی ایک طویل نظم لکھی تھی جس میں سر سے پاؤں تک محبوب کے تمام اعضا کی تعریف کی گئی ہے۔ ہر عضو کی تعریف میں دو، دو شعر ہیں۔ ہند کے ایک مشہور عالم اور مصنف نواب صدیق حسن (وفات ۱۸۹۰ء) نے یہ نظم اپنی تصنیف نشوۃ السکران میں شامل کی ہے اور اس کے متعلق یہ لکھا ہے کہ عربی میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی نظم ہے۔ محبوب کے مختلف اعضا کی تعریف میں متفرق اشعار تو کم و بیش ہر شاعر کے کلام میں پائے جاتے ہیں لیکن آزاد کی مراۃ الجمال اپنی قسم کی پہلی نظم ہے جس میں تمام اعضا کی تعریف کی گئی ہے۔ جس طرح صفی الدین حلی سے قبل بہت زمانہ سے اسلوب بیان متفرق نمونے موجود تھے۔ لیکن حلی پہلا شاعر ہے جس نے ایک بدیعیہ نظم کی اسی طرح آزاد بھی پہلا شاعر ہے جس نے تمام اعضا کی تعریف میں ایک طویل نظم کہی۔ اس کے متعلق خود آزاد نے لکھا ہے کہ انھوں نے ایک بنیاد رکھ کر اس پر عمارت تعمیر کر دی ہے اور اب آیندہ جو شاعر ہوں گے وہ اس تعمیر میں صرف اضافہ ہی کریں گے مگر بقول نواب صدیق حسن کسی شاعر نے اب تک اس تعمیر میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ اس نظم کے کچھ اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں تاکہ اس نظم کی نوعیت اور آزاد کی شاعری کی خصوصیات کا اندازہ ہو سکے۔

مطلق الحُسن

لی طیبۃ من ابرق الحنان — من مثلہا فی عالم الامکان

شمس تباھی بالسنا امہ لہا — وکواکب اخری من الغلمان

میرے پاس ایسی ہرنی (محبوبہ) ہے جو وادیٔ "ابرق الحنان" کی ہے اور اس عالم امکان میں اس جیسا کون ہو سکتا ہے۔

جس سورج کو اپنی چمک پہ ناز ہے وہ اس کی کنیز ہے اور دوسرے ستارے

اس کے غلمان ہیں۔

الظفیرة (زلف)

أضفیرتان علی بیاض خدودھا ۔۔۔ أو فی کتاب الحسن سلستان

أو لیلتا العیدین أقبلتا معاً ۔۔۔ أو من قصائدھم معلقتان

اس کے سفید گالوں پر یہ دونوں چوٹیاں ہیں یا حُسن کی کتاب کے دو زنجیرنما کالم ہیں۔

یا دو عیدوں کی راتیں ہیں جو ایک ساتھ آگئی ہیں یا "معلقات سبع" کے دو قصیدے ہیں۔

الجبهة (پیشانی)

جبھتھا المضیئة فی الدجی ۔۔۔ وھب الإلٰہ لھا علو مکان

ھی نصف بدر کامل لکنھا ۔۔۔ تربو علی القمرین فی اللمعان

اس کی اندھیرے میں چمکتی ہوئی پیشانی کو اللہ نے بڑا بلند مقام عطا کیا ہے۔

یہ بدر کامل کا ہے تو آدھا حصہ، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دو چاندوں (رخساروں) کے اوپر چمک رہا ہے۔

الحاجب (ابرو)

أبصر حواجبها وأدرك کنھا ۔۔۔ غصنان منحنیان وسط البان

أو کافران یشاوران لبعض قد ۔۔۔ أمالنا فی موقع الحرمان

اس کے ابروؤں کو دیکھو اور اس کی حقیقت کو سمجھو۔ یہ شجر "بان" کے بیچ میں دو جھکی ہوئی ٹہنیاں ہیں۔

یا دو کافر ہیں جو باہم مشورہ کر رہے ہیں کہ ہماری آرزوؤں کو محرومی کی آماجگاہ میں ڈال دیں۔

العین (آنکھ)

طرفا الحبیبة ساکران تمارضا ۔۔۔ وتغافلا عن رؤیة الحیران

او نوجسان علی غصین واحد	وھما بما مسکوان نضران

محبوبہ کی نظریں حیلہ جو ہیں جو بہ تکلف بیمار بنی ہوئی ہیں۔ (در اصل) پڑوسی کو دیکھنے سے کتراتی ہیں۔

یا دو نرگسیں جو ایک ہی ٹہنی سے لگی ہیں اور نشہ آور پانی سے ہری بھری ہوئی ہیں۔

مختصر یہ کہ دو دو اشعار کے پچاس قطعات میں اس باکمال شاعر نے محبوب کے پچاس اعضا کی نہایت شاعرانہ انداز میں تعریف کی گئی ہے اور باقی ماندہ پانچ قطعات اسی نظم کا تتمہ ہیں جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ نظم ۱۱۸۷ھ (۱۷۷۳ء) میں لکھی گئی تھی۔ اور یہ اپنی نوعیت کی واحد تصنیف ہے۔ آزاد نے یہ دعویٰ اس شعر میں کیا ہے۔

ما ان سمعنا مثلھا عن شاعر	آزاد لطرز المنشط بان

میں نے اس جیسا کوئی شاعر نہیں سنا۔ ایسے شگفتہ طرز کا موجد آزاد ہے۔

مراۃ الجمال کے علاوہ آزاد کے دوسرے شعری مجموعوں سے بھی کچھ اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں تاکہ ان کی شاعری کے مختلف پہلو زیادہ واضح ہوسکیں۔

الا لکل حسین الوجہ اشباہ	ولا نظیر لمن اھواہ الا ھو

ہر حسین چہرے کی نظیر موجود ہے لیکن جسے میں چاہتا ہوں اس کی نظیر وہ خود ہی ہے۔

فرد جلیل لا یشاھد مثلہ	من ثمر دیتہ شفاء الاحول

وہ ایک ایسی عالی شان ہستی ہے جس کی مثال نہیں دیکھی جاسکی۔ اسے دیکھنے سے تو بھنگا (کثرہ نگاہ) بھی ٹھیک ہوجاتے۔

یا ایھا الملک الرفیع جنابہ	لم یلف فی کل الوریٰ لک ثانی

ظل لرب العرش انت وظاھر	ان لا یکون لواحد ظلان

اے بادشاہ جس کا مرتبہ بلند ہے سارے جہان میں تیرا ثانی نہیں۔

تو رب العرش کا سایہ ہے اور ظاہر ہے کہ ایک ہستی کے دو سائے نہیں ہوتے۔

ان تبتغوا ماء الحیٰوۃ فذالکم	فی الھند لا فی موضع الظلمات

اگر تم آب حیات چاہتے ہو تو وہ تمھیں ہند میں ملے گا۔ بحر ظلمات میں نہیں۔

ھی خمرۃ للشاربین کرامۃ　　اذ انت تحسبھا عقیقاً ذائباً

یہ پینے والوں کے لیے اعزازی شراب ہے۔ تمھیں یہ سمجھو گے کہ پگھلا ہوا عقیق ہے۔

السرو ایرجو ان یمیس کقدہ　　ویفوز فوق الارض بالخطوات

والورد امّل ان یکون کخدہ　　فاتی ببسط الکف للدعوات

سرو کی آرزو ہے کہ اس کے قدوقامت کی طرح ناز کرے اور زمین پر خراماں ہونے لگے

گلاب کو یہ حسرت ہے کہ اس کے رخسار کی طرح ہو جائے۔ لہذا دعا کی غرض سے ہاتھ پھیلا دیئے ہیں۔

صدر الاماثل مولانا وسیّدنا　　جنابہ قبلۃ الانسان والملک

وہ اپنے ہم رتبوں کے صدر اور ہمارے سردار ہیں۔ ان کی ذات انسان اور فرشتے کا قبلہ ہے۔

شم الجبال تعلّت عندہ سفھاً　　وما درت انہ اعلیٰ من الفلک

پہاڑ کی چوٹی بے وقوفی سے اس کے سامنے اونچی ہوئی۔ اسے یہ معلوم نہیں کہ یہ آسمان سے بھی اونچی ہستی ہے۔

مررت علیٰ طفل بدیع جمالہ　　یطالع صرفاً والکواریس فی الید

فقلت لہ لازال علمک زائدا　　ابن لی بابا المثلاثی المجرد

میں ایک حسین لڑکے کے پاس سے گزرا جو "صرف" کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اور ہاتھ میں کاغذات تھے۔

میں نے اس سے کہا: تمھارا علم ہمیشہ قائم رہے۔ مجھے ایسا "باب" بتاؤ جو "ثلاثی مجرد" ہو۔

کلام آزاد کی چند خصوصیات

۱۔ غلام علی آزاد کی شاعری میں جس قسم کے تخیل و تصوّر کی فراوانی ہے وہ ایک خالص عربی شاعر کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔ عہد جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی دور کے عرب شاعروں کی شاعری سے آزاد کی شاعری اتنی ہی مختلف ہے جتنی کہ متنبی کی شاعری۔ متنبی کے زمانہ میں فارسی شاعری کی پوری نشوونما نہیں ہوئی تھی اس لیے اس کے کلام پر فارسی اثرات اس طرح نہیں پڑے جس طرح کہ

آزاد کی عربی شاعری ان سے متاثر ہوئی۔ ان اثرات کا نتیجہ یہ ہے کہ تخیل و تصوّر کے اعتبار سے آزاد کی شاعری زیادہ باثروت ہے لیکن شعری صلاحیت اور زبان کی خوبیوں کے اعتبار سے اس کا درجہ متنبّی سے کم تر ہے۔

۲۔ آزاد اشارہ و کنایہ اور صنعتِ لفظی کے بہت شائق ہیں اور یہ رجحان ہند کے ادیبوں اور شاعروں میں عام طور سے پایا جاتا ہے۔ چنانچہ امیر خسرو بھی اس کے بڑے شائق تھے اور ان کی تصانیف اعجاز خسروی اور قران السعدین صنعتِ لفظی و بلاغت کا عمدہ نمونہ ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے آزاد نے بھی متعدد اسلوب بیان رائج کیے اور انھوں نے ایک بدیعیہ بھی لکھا ہے۔

۳۔ آزاد سے قبل عربی شاعری پر ہندی اور سنسکرت کی شاعری کا کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ اکبر کے عہد میں ایک شاعر نے کچھ عربی اشعار ہندی بحروں میں کہے تھے لیکن یہ بالکل مختلف چیز تھی۔ یہ اشعار محض دلچسپی کی خاطر کہے گئے تھے اور یہ کوئی سنجیدہ علمی تجربہ نہ تھا۔ لیکن آزاد نے اپنے عربی اشعار میں ہندی اور سنسکرت کی تشبیہات سے کام لیا اور ان زبانوں کا اسلوب بیان بھی اختیار کیا جس کی مثالیں سبحۃ المرجان میں پائی جاتی ہیں۔

۴۔ آزاد نے فارسی شاعری کی تمام اقسام کے مطابق عربی میں شاعری کی۔ چنانچہ ان کے عربی کلام میں رباعی، مثنوی، مستزاد وغیرہ کے متعدد نمونے پائے جاتے ہیں۔ عربی کی ارجوزہ مزدوجہ قافیہ بندی کے اعتبار سے تو فارسی مثنوی کے مماثل ہے مگر بحر میں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ آزاد نے عربی مزدوجہ کے لیے فارسی مثنوی کی بحر بھی اختیار کی اور عربی میں مثنوی بھی لکھی۔ ان کی نظم مظہر البرکات ایک عربی مثنوی ہے جو خالص فارسی بحر میں لکھی گئی ہے۔ نواب صدیق حسن نے ابجد العلوم میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ عربی میں یہ مثنوی بہت خوبی سے لکھی گئی ہے۔